علمِ بدیع

بدیع کے لغوی معنی تو نادر، انوکھا یا نئی چیز کے ہیں لیکن اصطلاح میں علمِ بدیع اس علم کو کہتے ہیں جس سے تحسین و تزئینِ کلام کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں: صنائعِ لفظی اور صنائعِ معنوی یعنی لفظوں کے لحاظ سے نکات اور باریکیاں بیان کرنا۔ صنائعِ لفظی و معنوی کا بیان بڑا تفصیل طلب ہے اور اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ذیل میں ان کی چند معروف اقسام اختصار کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں:

(۱) صنعتِ تضاد: علمِ بدیع کی اصطلاح میں کلام میں دو ایسے الفاظ استعمال کرنا جو ایک دوسرے کی ضد یا الٹ ہوں۔ مثال کے طور پر: ہنسنا اور رونا، سیاہ اور سفید، امید و ناامیدی، رنج و خوشی، مقدّم اور مؤخر، زمین اور آسمان وغیرہ۔ مثلاً یہ شعر:

ہزار مرتبہ بہتر ہے بادشاہی سے　　اگر نصیب تیرے کوچے کی گدائی ہو　　(میر تقی میر)

(۲) صنعتِ مبالغہ: کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں جن سے مبالغے کا پہلو نکلتا ہو تو ایسی صنعت کو صنعتِ مبالغہ کہتے ہیں۔ مثلاً: میر انیس، میدانِ کربلا میں گرمی کی شدّت کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر　　بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر　　(میر انیس)

دانے کا زمین پر گرتے ہی بھن جانے میں مبالغہ ہے۔

(۳) صنعتِ تلمیح: تلمیح کے لغوی معنی ہیں اشارہ کرنا۔ ادب کی اصطلاح میں کلام میں کسی مشہور قصّے، واقعے، شخصیت، داستان یا روایت کی طرف اشارہ کرنے کو تلمیح کہتے ہیں۔ مثلاً:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی　　(علّامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

اس شعر میں ''آتشِ نمرود'' تلمیح ہے جو اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو جلانے کے لیے آگ کا الاؤ تیار کیا تھا۔ اسی طرح:

اک کھیل ہے، اورنگِ سلیماں مِرے نزدیک
اک بات ہے، اعجازِ مسیحا مِرے آگے　　(مرزا غالب)

اس شعر میں ''اورنگِ سلیماں'' اور ''اعجازِ مسیحا'' دو تلمیحیں آئی ہیں۔

(۴) صنعتِ لف و نشر: اصطلاح میں صنعتِ لف و نشر کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے کچھ چیزوں کا ذکر کیا جائے اور پھر انھی چیزوں سے مناسبت رکھنے والی چیزوں کا ذکر بھی کیا جائے۔ پہلے جُز و کا نام لف اور دوسرے کا نام نشر ہوگا۔ ایک مثال یہ ہے:

نہ سلیقہ مجھ میں کلیمؑ کا، نہ قرینہ تجھ میں خلیلؑ کا
میں ہلاکِ جادوئے سامری، تو قتیلِ شیوۂ آزری　　(علّامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

پہلے مصرعے میں ''کلیم'' اور ''خلیل'' کا ذکر ہے اور پھر اُن سے مناسبت رکھنے والی باتوں ''سامری'' اور ''آزری'' کا ذکر ہے۔

(۵) صنعتِ ایہام: ایہام کے لغوی معنی وہم میں ڈالنا یا چھپانا کے ہیں۔ صنعتِ ایہام یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں، ایک قریب کے اور دوسرے بعید کے۔ مثلاً:

شب جو مسجد میں جا پھنسے مومن
رات کاٹی خدا خدا کر کے (مومن)

''خدا خدا کر کے'' کے ایک معنی تو خدا کو یاد کرنا ہے اور دوسرے معنی ہیں بڑی مشکل سے۔ یہاں شاعر کی مراد دوسرے معنوں سے ہے۔

(۶) صنعتِ مراعاۃ النظیر: مراعاۃ النظیر اس صنعت کاری کا نام ہے جس کے ذریعے کلام میں کچھ ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جو ایک ہی رعایت یا ایک ہی قبیل کے ہوتے ہیں۔ مثلاً:

کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفاں سے کیا
ناخدا تو ، بحر تو ، کشتی بھی تو ، ساحل بھی تو (علّامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

ناخدا (ملّاح)، بحر، کشتی، ساحل کا ایک ساتھ ذکر مراعاۃ النظیر کی مثال ہے۔

(۷) صنعتِ حسنِ تعلیل: شاعری کی ایسی صنعت ہے جس میں شاعر ایک ایسی چیز کو کسی چیز کی علّت (وجہ) فرض کر لیتا ہے جو درحقیقت اس کی علّت نہیں ہوتی مگر اس پر یقین کرنے کو جی چاہتا ہے۔ مثلاً:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں (مرزا غالب)

مرزا غالب نے اس شعر میں گل و لالہ کے نمایاں ہونے کی وجہ ان خوب صورت چہروں کو قرار دیا جو وفات کے بعد پیوندِ خاک ہو گئے۔

(۸) صنعتِ تکرار: تکرار کے لغوی معنی 'دہرانا' کے ہیں۔ اصطلاح میں صنعتِ تکرار ایسی صنعت ہے جس میں دو لفظ ایک ہی معنی رکھتے ہوں اور شعر یا مصرعوں میں برابر جمع کیے جائیں۔ بالفاظِ دیگر جب کسی شعر یا مصرعے میں ایک لفظ کی تکرار پائی جائے تو اسے صنعتِ تکرار کہا جاتا ہے۔ مثلاً:

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں اِرم دیکھتے ہیں (مرزا غالب)

اس شعر میں 'خیاباں خیاباں' کی تکرار سے ایک خاص صوتی آہنگ پیدا ہو گیا ہے جس سے یقیناً ایک سلیم الطبع قاری متاثر ہوتا ہے۔